شاہ ولی اللہؒ -- محافظِ مسلم تہذیب و اقدار

شاہد حسن رضوی*

This article highlights the educational, social and political services of famous Muslim Scholar of the sub-continent -- Shah Wali Ullah Muhadith Dehlvi (1703-1762). The article comprises of three parts; first part deals with the social conditions of his times, his early life and educational services. The second part is about his political services; he got help from both the internal and external Muslim powers i.e., Rohilas and Ahmad Shah Abdali respectively and last part sheds light on his social services.

اٹھارویں صدی عیسوی کے ہندوستان کی تاریخ کے سطحی مشاہدے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ عنان حکومت پر مسلمانوں کی گرفت بالکل ڈھیلی پڑ چکی تھی اور مرہٹوں کے حملوں کے نتیجے میں مسلمانوں کی املاک اورعزت و آبرو محفوظ نہیں تھی۔[1]

دہلی اور اس کے گردونواح میں جاٹوں اور سکھوں کی غارت گری نے زندگی کو غیر محفوظ اور اجیرن بنا دیا تھا۔[2] نتیجہ کے طور پر مسلمانوں نے شدید مصائب برداشت کئے۔قتل و غارت، لوٹ مارو آبروریزی عام ہوگئی اور آخر کار لوگوں نے خودکشیوں میں ہی آسودگی تصور کی۔سکھوں نے سرہند اور سہارنپور پر قبضہ کرلیا۔[3]اور مسلمانوں پر مظالم کے پہاڑ توڑ دیئے۔

عین ممکن تھا کہ مغل اقتدار ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتا کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ میدان عمل میں اُترے۔ انہوں نے مسلم معاشرتی زبوں حالی دیکھی اور حکمرانوں کی نا اہلی کا مشاہدہ کیا۔ مسند علم پر جمود کا جائزہ لیا۔مسلم معاشرت پر ہندو تہذیب کی بالا دستی کا تجزیہ کیا اور بہت جلد اس نتیجہ پر پہنچ گئے

---

* ایسوی ایٹ پروفیسر، شعبہ تاریخ و مطالعہ پاکستان،اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور۔

کہ مسلم تہذیب و اقتدار دیمک زدہ ہوگیا ہے۔[۴] اور اس کا مداوا تب ہی ممکن ہوگا جب بحیثیت مجموعی زندگی کے ہر شعبہ کی اصلاح کا انقلاب آفریں کام شروع ہوگا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ ۱۷۰۳عیسوی میں پیدا ہوئے۔ آپؒ کے والد کا نام عبدالرحیم تھا جو کہ ایک صوفی بزرگ تھے اور گوشہ نشینی کی زندگی کو ترجیح دیتے تھے۔ آپؒ کے والد نے اورنگ زیب عالمگیر کی شہرہ آفاق تصنیف ''فتاویٰ عالمگیری'' کی تدوین کے لئے اگرچہ تعاون ضرور کیا مگر اس کی کی حکومت میں شمولیت کے بے نظیر مواقع ہونے کے باوجود کبھی عہدے کو قبول نہیں کیا۔ انہوں نے ایک مدرسہ بھی قائم کیا اور اس کا نام مدرسہ ''رحیمیہ'' رکھا۔ جہاں وہ خود بھی درس دیتے تھے۔ آپؒ نے ایک عالم دین اور صوفی ہونے کے ناطے سے دینیات اور تصوف کے درمیان حسین امتزاج پیدا کرنے کی کوشش کی تاکہ اس وقت جو فقہ اور تصوف کے درمیان کشمکش چل رہی تھی اس کو دور کیا جا سکے۔[۵]

اس طرح علوم عربیہ، تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، معنی، منطق حضرت شاہ ولی اللہؒ کو والد کی طرف سے ورثے میں ملا تھا اور ان کی تمام خصوصیات بھی آپؒ کی گھٹی میں شامل ہوگئی تھیں۔ چنانچہ آپؒ نے بھی اِن مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی اور مدرسہ میں بھی درس دینا شروع کردیا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بارہ سال تک مدرسہ میں خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد آپؒ فریضہ حج کے لئے روانہ ہوگئے۔ آپؒ نے مدینہ منورہ میں ۱۴ ماہ تک تعلیم حاصل کی۔ یہاں پر آپؒ کی تعلیم و تربیت ایک عالم دین شیخ ابو طاہر بن ابراہیم کے ہاتھوں ہوئی۔ [۶]

حضرت شیخ ابو طاہر نے آپؒ کی وسیع النظری اور مختلف ''نقطہ ہائے نگاہ''[۷] جو آپ کو اپنے والد محترم سے ورثے میں ملی تھی میں تضاد دور کرنے کی صلاحیت کو مزید پختہ کردیا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ ۹ جولائی ۱۷۳۲ء کو ۲۸ سال کی عمر میں واپس دہلی تشریف لائے اور اپنی زندگی کے اہم اور ایک نتیجہ خیز دور کا آغاز کیا۔[۸] مسلمانوں کی اندرونی خرابیوں نے اتحاد ملّی کے احساس کو بھی قصہ پارینہ کر دیا تھا۔ یہ خرابیاں کئی قسم کی تھیں۔

۱- سب سے اہم اور بڑی خرابی فرقہ وارانہ جذبات تھے، جس نے اہل سنّت اور اہل تشیع کے درمیان مخاصمت پیدا کردی تھی جو مسلم اتحاد کے لئے تباہ کن تھی۔ اس شدت نے مہلک تنازعات کی صورت اختیار کرلی تھی جو ایک طرف تو تورانی اور روہیلہ سرداروں اور دوسری طرف

ایرانی اُمراء کے درمیان جاری تھے۔

۲- ایک اور اہم پہلو معاشی بد حالی اور ارتکاز دولت تھا۔ معاشرہ عجیب تضاد کا شکار تھا۔ ایک بہت بڑی تعداد غربت و پسماندگی کی سطح سے بھی نیچے زندگی گزار رہی تھی جب کہ ایک طبقہ زندگی کی لامحدود آسائشوں سے مستفید ہو رہا تھا۔ اس معاشرتی تفاوت نے ان گنت مسائل کو جنم دیا تھا۔

۳- اگرچہ محاصل کا نظام صرف اسی صورت میں جائز ہے کہ کم از کم وصول کنندہ محصول گزار کی حفاظت کا تو ضامن ہو ورنہ وہ نظام محاصل ظلم کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ جب کہ سیاسی رہنماء اس ذمہ داری سے منحرف ہوگئے تھے۔ اب وہ عوام کے خادم کی بجائے حاکم بن گئے تھے اور اپنی ذمہ داریوں سے بھی منحرف ہو چکے تھے، لہٰذا ان کی حیثیت عوام کا خون چوسنے والے کیڑوں کی سی ہوگئی تھی۔

۴- حکومت وقت کا نظم و ضبط برائے نام رہ گیا تھا اور نتیجہ کے طور پر علاقائی سرداروں نے اپنی اپنی جابرانہ حکومتیں قائم کر لی تھیں، جس سے حالات غیر یقینی ہوتے چلے گئے اور موقع پرستی اور خود غرضی کا مرض استحصال بالجبر کی صورت میں بڑھتا چلا گیا مسلمان ایک مجبور اور لاچار ہجوم ہو کر رہ گئے تھے۔[9]

اس وقت ملّت کی زندگی کے تینوں شعبے یعنی مذہب، معاشرت اور معیشت انحطاط کا شکار ہو چکے تھے۔ اِس مرض کی تشخیص اور پھر اس کا علاج کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اس برق رفتار تباہی کو روکنا ایک ٹھوس پُرخلوص قیادت کی تخلیق کے بغیر ممکن ہی نہ تھا۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے آپؒ نے اس امر کا فیصلہ کیا کہ بادشاہ کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کی جدوجہد کی جائے۔ اس مقصد کے لئے آپ نے بادشاہ کو متوجہ کرنے کی بھرپور کوشش کامیابی حاصل نہ کرسکے۔ پھر آپؒ نے وہ کو بھی مخاطب کیا مگر اُمراء کسی سنجیدہ مشورے کو سننے اور سمجھنے کی سمعی و بصری صلاحیتوں سے محروم ہو چکے تھے۔ غیر ضروری لوازمات زندگی اور عیش و طرب نے اُن سے تعمیری صلاحیتیں چھین لی تھیں۔ اس کے بعد آپؒ نے دلبرداشتہ ہوکر نظام الملک آصف جاہ کی طرف توجہ دی، لیکن یہ بھی دہلی سے کوچ کر کے دکن چلا گیا۔[10] شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ ''وہ ایک تجربہ کار مدبّر اور منتظم ہونے کی حیثیت سے عالم و فاضل فلسفی کے مقابلے میں اس امر کو بطریق احسن جانتا تھا کہ دہلی کا دربار اب اصلاح کے مرحلے

سے گزر چکا تھا اور اب کم از کم دکن کو بچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔"[11]

ان دنوں ہندوستان کی شمالی ریاست میں روہیلوں [12] کا نام کافی معروف تھااور وہ بے شمار خصوصیات کے حامل تھے۔[13] یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ترکوں سے اقتدار چھین کر اپنی سلطنت قائم کرلی تھی لیکن اِس کے ساتھ ساتھ روہیلوں میں چند خامیاں بھی تھیں جنہوں نے ان کی قیادت کا راستہ روک دیا تھا، جو کہ درج ذیل ہیں۔

۱- ان کی تعداد کم تھی جب کہ اِس کام کے لیے کثیر تعداد کی ضرورت تھی۔

۲- یہ اپنے ساتھ زیادہ آزادی کی روایات لائے تھے جو کسی نازک وقت میں بھی متحدہ عمل کی مزاحمت کرتی تھیں۔

۳- فرقہ وارانہ اختلافات سے انہیں انتہائی تعصّب تھا اور یہ اپنے مخالفین کے وجود کو برداشت نہیں کرتے تھے۔

۴- راسخ الاعتقادی کا جو تعقّل اُن کے ذہن میں تھا اس سے ادنیٰ انحراف بھی ان کے نزدیک بدعت میں شمار ہوتا تھا۔[14]

مگر ان تمام پہلوؤں کے باوجود روہیلے ہی واحد قوت تھے کیونکہ غارت گروں کے جبرو ظلم سے مسلمانوں کی نجات کسی تاخیر کی متحمل نہیں ہوسکتی تھی نیز حضرت شاہ ولی اللہؒ کے ذہن میں ایک پہلو یہ بھی موجود تھا کہ کسی بیرونی امداد کے بغیر سلطنتِ مغلیہ کو تقویت پہنچانا ناممکن ہے۔ آپؒ غیر مسلموں سے امداد کے نتائج دیکھ چکے تھے۔اِن حالات میں اگر کوئی طاقت سلطنت مغلیہ کی کشتی کو ڈوبنے سے بچا سکتی تھی تو وہ افغانستان میں احمد شاہ ابدالیؒ کی قائم کردہ نئی ریاست تھی اور حضرت شاہ ولی اللہؒ، احمد شاہ ابدالیؒ سے تعاون کی امید بھی کرسکتے تھے [15] اور انہوں نے مدد چاہی بھی۔

روہیلہ سردار جن کے ذریعے سے حضرت شاہ ولی اللہؒ مسلم دشمن قوتوں کو کمزور کرنے کے مقصد کی تکمیل چاہتے تھے ان میں نجیب الدوّلہ کا نام قابل ذکر ہے۔[16] کیونکہ نجیب الدوّلہ آپ کی نظر میں نہ صرف ایک قابل شخص تھا بلکہ آپ کو اس سے کافی توقعات بھی تھیں کہ وہ یعنی نجیب الدوّلہ

۱- ایماندار ثابت ہوگا۔

۲- مسلمانوں کو مرہٹوں، جاٹوں اور سکھوں نے جس ذلت و خواری میں مبتلا کر دیا تھا اس سے

نکالنے میں مسلمانوں کی مدد کرے گا۔

۳- احمد شاہ ابدالیؒ کے ساتھ اِس کا مکمل تعاون ہوگا۔

یہ سب باتیں نجیب الدوّلہ کے عمل سے درست ثابت ہوئیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم و غیر مسلم مؤرخین شاہ ولی اللہؒ کی حکمت عملی اور دور اندیشی کی تعریف کرتے ہیں۔ ۱۷ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے نجیب الدوّلہ سے تفصیلی خط و کتابت کی اور اِس کو دور رس مشوروں سے نوازااور اِس نے بھی آپؒ کے مشوروں کو ہمیشہ من وعن قبول کیا۔

مسلمانوں کو اِس سیاسی انحطاط سے بچانے کے لئے آپؒ نے افغانستان کے حکمران احمد شاہ ابدالیؒ کو بھی خطوط لکھے جس میں مسلمانوں کی زبوں حالی اور مصائب کا ذکر تھا اور اس کے ساتھ ہی اِن موذیوں سے مسلمانوں کو نجات دلانے کے لئے جو فرائض احمد شاہ ابدالی پر ایک مسلمان فرمانروا کی حیثیت سے عائد ہوتے تھے ان کی طرف توجہ دلائی اور امداد طلب کی۔۱۸

احمد شاہ ابدالیؒ مسلمانوں کی مدد کے لئے ہندوستان آئے اور نجیب الدوّلہ اس قابل افغان فرمانروا کی قیادت میں شمالی ہندوستان کی مسلم حکومتوں کا اتحاد (Alliance) بنانے میں کامیاب ہوگیا چنانچہ مرہٹوں کے خلاف ۱۷۶۱ء میں پانی پت کی جنگ میں عظیم فتح حاصل ہوئی۔ اس لڑائی میں احمد شاہ ابدالیؒ نے مرہٹوں کی مرکزی طاقت پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ انہیں کو اپنی طاقت بحال کرنے میں ایک طویل عرصہ تگ و دو کرنا پڑی۔اس موقع پر اگر مسلمان جوش عمل اور عاقبت اندیشی سے کام لیتے تو مرہٹوں کا مسئلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حل ہو سکتا تھا۔ پانی پت کی لڑائی (۱۷۶۱ء تا ۱۷۵۹ء) میں مسلمانوں کی فتح صرف اور صرف حضرت شاہ ولی اللہؒ کی مختصر المعیاد سیاسی جدوجہد کا نتیجہ تھی۔ ۱۹

۱۷۶۲ء بمطابق ۱۱۷۶ھ کو حضرت شاہ ولی اللہؒ کا انتقال ہوگیا۔۲۰

آپ نے مسلمانوں کے آپس کے چھوٹے چھوٹے اختلافات کو صحیح تناظر میں پرکھا اور اُن پر کھل کر بحث کی اور مختلف نقطہ ہائے نگاہ پیش کر کے ان میں مفاہمت پیدا کرنے کی کوشش کی۔آپ نے سنّی عقیدہ کے چاروں دبستان ہائے فقہ کے واقعی حالات ''ازالۃ الخلفاء'' کے عنوان سے مرتب کیئے اور شیعہ اور سنیوں کی غلط فہمیوں کا ازالہ بھی کیا۔۲۱

آپؒ نے مسلمانوں میں اجتہاد ۲۲ کے منصب کی تشریح کر کے ان اختلافات کو کم کرنے کی کوششیں بھی کیں۔ شاہ صاحبؒ کی یہ فکری روش تخریبی انتہاپسندی کے برعکس ترقی پسندانہ تھی۔ یہ طرزِعمل جدید تفسیر و تشریح کے ذریعے ان تازہ اختلافات کی نشوونما کا بھی سد باب کرتا تھا جو گزشتہ تفکر سے ہم آہنگ نہیں ہوتے تھے انہوں نے یہ اصول بھی مقرر کیا کہ جو لوگ اجتہاد کی اہلیت نہیں رکھتے ان کے لئے لازم ہے کہ وہ اہل مجتہدین کے فیصلوں پر عمل کریں۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ایک طرف علمی قحط الرجالی کو روکنے پر توجہ مبذول کی جب کہ دوسری طرف آپ نے معاشرتی ناہمواری، معاشی زبوں حالی، نا انصافی اور بے راہ روی کے خلاف بھی جہاد کیا۔ کیونکہ آپ اِس امر سے بھی واقف تھے کہ وہ معاشرہ روحانی ترقی حاصل نہیں کرسکتا جو زندگی کی بنیادی ضروریات کے لئے بھی ترستا ہو یا معاشی نا ہمواری کا شکار ہو۔ وہ لکھتے ہیں کہ عدل کا اصول تمام سیاسی اور معاشرتی تنظیم کی روح رواں ہے۔ آزادی، اقتدار اور بہتر زندگی دارومدار اسی پر ہے۔ آپ کے مطابق توازن کا قیام زیادہ تر صحت مند معاشی حالات پر منحصر ہوتا ہے جو وسائل کی مساویانہ تقسیم سے حاصل ہوتی ہے۔ دولت کی غیر مساویانہ تقسیم سے دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہو کر رہ جاتی ہے اور اس سے ایسی پیچیدگیاں اور بے چینی جنم لیتی ہیں کہ معاشرہ میں فلاح و بہبود کا تصور محض خواب بن کر رہ جاتا ہے۔ایسی نا انصافی بعض اوقات کسی خاص گروہ یا طبقہ کو اس لئے جارحیت پر آمادہ کر دیتی ہے کہ دوسروں نے جو کچھ اپنی کفایت شعاری اور محنت سے کمایا ہے، اسے دوسری حملہ آور قومیں بالجبر ہتھیا لیں۔۲۳ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے خیال میں جب ایک گروہ کواِس قدر پستی میں ڈال دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی روزی روٹی کمانے کے لئے جانوروں کی طرح کام کرتا ہے تو اس کی معاشرتی خوبیاں ختم ہو جاتی ہیں اور اسی طرح جب کچھ لوگ عیش وعشرت اور اسراف کی عادت میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو وہ معاشرتی فلاح کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ معاشی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے بار آور کام معاشی صحت مندی کی بنیاد ہے جس کے بغیر معاشرتی اقدار کی نشوونما اور قیام ناممکن ہے کیونکہ جب تک انسان کا دماغ معاشی تفکرات سے آزاد نہیں ہوگا وہ اعلیٰ مقاصد کے حصول میں مشغول نہیں رہ سکتا۔۲۴

معاشرتی ترقی کا بلند ترین معیار یہ ہے کہ ایک ایسا معاشرہ قائم ہو جس میں جارحیت کا تصور تک نہ ہو۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ صوفی بزرگ تھے اور آپ کو صوفیانہ وجد و کیف حاصل تھا۔ آپ مسلمانوں میں یہ احساس پیدا کرنا چاہتے تھے کہ مذہب اِسلام ان قدروں پر بھی بڑا زور دیتا ہے کہ منظم اور مفید معاشرتی زندگی گزارنا ہر شخص کا بنیادی حق ہیں کیونکہ انسان کا مقصد حیات اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک وہ ایک معاشرے کا مثبت جزو نہ بن جائے۔ آپؒ کے لائحہ عمل میں قلیل المعیاد سیاسی تدابیر کی طرح بعض فوری اصلاحات بھی شامل تھیں جن کو مسلمانوں کے طرز عمل میں مکمل تبدیلیاں ہونے تک ملتوی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ وہ مسلمانوں کی علیٰحدہ ہستی کو قائم رکھنے کے لئے بے چین تھے۔

تبصرہ

انسانی معاشرہ اشرف الخلوق کا معاشرہ ہے، سب سے ارفع مخلوق کا مسکن ہے اور اس معاشرے کی سب سے اہم ضرورت خالق اور مخلوق کے رشتے کی استواری ہے۔ اِسی بارِ عظیم کے لئے پیغمبروں کی بعثت کا سلسلہ شروع کیا گیا اور اسی مقصد کی تکمیل کے لئے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر کرب و بلا، ابتلاء و آزمائش اور ایثار و قربانی کے سمندر سے گزرے۔ پیغمبروں کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد وہ پاکیزہ، ارفع اور اعلیٰ ارواح جو مقام پیغمبری پر تو فائز نہ تھیں لیکن نیکی بردباری، تحمل، انسان دوستی اور برداشت جن کی سرشت میں شامل تھی انہوں نے کارِ پیغمبری کو اختیار کرلیا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کا شمار بھی انہی عظیم المرتبت انسانوں میں ہوتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حصولِ علم کی منازل طے کرنے کے بعد جب معاشرے پر نگاہ ڈالی تو حالات کو نہایت دگرگوں پایا۔ غیر مسلموں کی ریشہ دوانیاں اور مسلمانوں کی بے حسی نے معاشرے میں بگاڑ کی ایسی شکل پیدا کردی تھی جس کی بناء پر ہندوستان میں بھی اسپین کی تاریخ کا اعادہ نظر آرہا تھا لیکن شاہ ولی اللہؒ میدان عمل میں اُترے اور اصلاحِ احوال کا بیڑہ اٹھایا۔ علمی جمود، مسلم معاشرے کی بے راہ روی اور غیر اسلامی قوتوں کی مسلم دشمنی ہند کے مسائل تھے نیز اسلامی تعلیمات ہندو مت اور بدھ مت کے زیر اثر ارفع و اعلیٰ خصوصیات کھو بیٹھیں تھیں، عبادات کی جگہ روایات، توحید کی جگہ شرک و فرقہ بندی اور عوام نے بے حسی اختیار کر لی تھی۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے مسند علم سنبھالنے کے بعد خالص اسلام کی تبلیغ جو قرآن و سنت کے مطابق تھی، شروع کی براہ راست قرآن سے فیض حاصل کرنے کے لئے قرآن پاک کا فارسی میں ترجمہ کیا، معاشرتی برائیوں کو بے نقاب کیا، عوام الناس کو بے عملی اور بے حسی کی زندگی سے نکال کر ان میں اسلامی تشخص بیدار کیا۔

مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی قوتوں کا سدّباب سب سے اہم مسئلہ تھا اور معاملات کی نوعیت یہ تھی کہ مغل حکومت اس طوفان بلا خیز کے سامنے بے دست و پا تھی، چنانچہ ایک مربی کی حیثیت سے شاہ صاحبؒ نے حالات کا تجزیہ کیا اور روہیلوں سے وہی کام لیا جو امام ابن تیمیہؒ نے تاتاریوں کا سد باب کر کے کیا تھا۔ اس طرح مغل سلطنت نے کم و بیش ڈیڑھ صدی کی نئی زندگی پالی۔ آپؒ کی مساعی جمیلہ نے مسلمانوں میں جدا گانہ تشخص بیدار کیا، ان پر ہندوؤں کی مسلم دشمنی آشکارہ ہوئی۔ اسلامی عقائد و نظریات (جو ہندو عقائد میں مدغم ہو رہے تھے) کی تطہیر ہوئی اور وہ سوچ پروان چڑھی جس کی آبیاری سر سید احمد خاں (۱۸۱۸ء-۱۸۹۷ء) نے جبکہ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال (۱۸۷۶ء-۱۹۳۸ء) نے پروان چڑھایا اور جس کے لیے قائد اعظم محمد علی جناح (۱۸۷۶ء-۱۹۴۸ء) نے تاریخ ساز جدوجہد کی اور بالآخر ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو دنیا کے نقشے پر سب سے بڑی آزاد خودمختار مملکت خداداد پاکستان نے جنم لیا۔

حوالہ جات

۱- جے این سرکار، *Fall of Mughal Empire*، کلکتہ ۱۹۴۹ء، ص ص ۴۹-۵۰۔

۲- (مغل بادشاہ عالمگیر اوّل کے عہد میں جو بغاوت کی تھی اسے دبا دیا گیا تھا) فرخ سیر کے زمانے میں بھی ایک جاٹ سردار ''چورامن'' نے راہ زنی شروع کردی۔(مگرشاہی افواج نے ایک مرتبہ پھر جاٹوں کو دبا دیا)(۲)حتیٰ کہ صفدر جنگ نے بادشاہ احمد شاہؒ کے خلاف بغاوت کرکے جاٹوں سے امداد طلب کی اور انہیں دہلی کے گردونواح میں لے آیا تھا۔(خوانی خاں، *منتخب اللباب*، کلکتہ ۱۸۶۹ء، ص ص ۹۴۵-۹۴۴)

۳- لطیف، سیّد محمد، *History of the Punjab*، کلکتہ، ۱۸۹۱، ص ۱۸۰۔

۴- اشتیاق حسین قریشی، *برّعظیم پاک وہند کی ملت اسلامیہ*، کراچی، اشاعت دوم، ۱۹۸۳ء، ص ۲۲۷۔

۵- اشتیاق حسین قریشی، *History of Freedom Movement*، ص ص ۲۶۸-۲۶۷۔

۶- شاہ ولی اللہؒ، *حجتہ البالغہ*، (اردو ترجمہ از مولوی عبدالرحیم)، لاہور ۱۹۵۳ء، ص ص ۶۲-۶۱۔

۷- وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے مسئلے پر مختلف صوفیوں کے درمیان جو نزاع پیدا ہوا تھا، شاہ ولی اللہؒ نے اس موضوع پر ایک چھوٹا سا رسالہ تصنیف کیا جس میں انہوں نے واضح کیا کہ یہ اختلافات زیادہ تر الفاظ و معنی کا پھیر ہے چنانچہ آپؒ کی کوششوں کی بدولت دونوں ہائے نقطہ ہائے نگاہ میں کافی حد تک مفاہمت ہوگئی۔ (قریشی بحوالہ سابقہ، ص ص ۲۳۸-۲۳۷)

۸- اشتیاق حسین قریشی، بحوالہ سابقہ، ص ۲۲۸۔

۹- ایضاً، ص ص ۲۳۰-۲۲۹۔

۱۰- خلیق احمد نظامی، ''شاہ ولی اللہؒ کے سیاسی مکتوبات''، علی گڑھ ۱۹۵۰ء، ص ۸۱۔

۱۱- قریشی، بحوالہ سابقہ، ص ۲۳۱۔

۱۲- لفظ روہیلہ، ''روہ'' سے نکلا ہے جو اُس کوہستانی علاقے کا نام تھا جو پاکستان کی شمالی مغربی سرحد پر واقع ہے نہ صرف حضرت شاہ ولی اللہؒ بلکہ دوسرے دانشور بھی روہیلوں کی اچھی صفات سے متاثر ہوئے۔ (قریشی، ص ۲۳۱، حاشیہ ۱۵)۔

۱۳- روہیلے ایک ابھرتی ہوئی قوم تھی جس میں درج ذیل خصوصیات تھیں۔

ا۔ روہیلے تازہ ترین جنگجو تھے۔

ب۔ اُنہوں نے اپنی سادہ عادات کو ضائع نہیں کیا تھا۔

ج۔ وہ ابھی تک دہلی کی بد اخلاقیوں سے داغدار نہیں ہوئے تھے۔

د۔ وہ ایک طرف تو پکے مسلمان تھے دوسری طرف طبقاتی امتیازات نے اُن کے معاشرے کی جڑوں کو ابھی تک کھوکھلا نہیں کیا تھا۔

ر۔ وہ انحطاط پذیر، درماندہ اور از کار رفتہ نہیں تھے۔

ان کی درجہ بالا خوبیاں ان کو آئندہ قیادت کے لئے دوسروں سے منفرد کرتی تھیں شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے دہلی میں مسلم اقتدار کو دوبارہ زندہ کرنے کے لئے انہیں آگے لانے کا فیصلہ کیا تھا۔(قریشی بحوالہ سابقہ ص ۲۳۲ ۔

۱۴- مناظر احسن گیلانی، *حضرت شاہ ولی اللہؒ*، نفیس اکیڈمی کراچی، (ص ص ۱۹۹-۲۰۱) ۔

۱۵۔ قریشی بحوالہ سابقہ، ص ۲۳۴۔

۱۶- نجیب الدولہ معمولی درجہ کے ملازم سے بڑھتے بڑھتے اقتدار تک پہنچا وہ ۱۷۴۳ء میں روہیل کھنڈ آیا۔ جہاں روہیلے آباد ہوچکے تھے وہ ایک سردار کی ملازمت میں پیادہ سپاہی کی حیثیت سے داخل ہوا۔ مگر اس نے اپنی قابلیت اور کارکردگی کے باعث مسلسل ترقی کی یہاں تک کہ صفدر جنگ کو دبانے کے لئے جب اُس نے مغل بادشاہ احمد شاہ کا ساتھ دیا تو پنج ہزاری کا اعلیٰ منصب اور نجیب الدولہ کا خطاب پایا۔(قریشی، ص ۲۳۳، حاشیہ ۲۲)۔

۱۷- نظامی، بحوالہ سابقہ، ص ۴۱۔

۱۸- خلیق احمد نظامی، بحوالہ سابقہ، ص ۴۷۔

۱۹- اشتیاق حسینقریشی، بحوالہ سابقہ، ص ۲۳۴۔

۲۰- ہفت روزہ ''الہام'' بہاولپور ۱۹۸۶ء شاہ ولی اللہؒ نمبر، ص ۳۔

۲۱- مناظر احسن، گیلانی، بحوالہ سابقہ، ص۲۴۵۔

۲۲- حضرت شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک شریعت مقدمہ کے ''بنیادی اصولوں کو سمجھنے کی سعی بلیغ'' کا نام اجتہاد ہے اور اس کا دائرہ علمائے معتقدین کے فیصلوں کو سمجھنے کی کوشش تک محدود نہیں ہے۔ اس لئے اس کا نتیجہ قدیم علماء و فقہاء کے فیصلوں سے اختلاف کی صورت میں بھی برآمد ہو سکتا ہے چنانچہ انہوں نے اجتہاد کا دروازہ بند نہ ہونے پر زور دیا اور ساتھ ساتھ یہ بھی انتباہ کیا کہ اجتہاد کے لئے تبحر علمی اور احتیاط کی ضرورت ہے اس کے لیے ادق اور تھکا دینے والے تحقیقی تجزیے، تنقیدی مطالعے اور قرآن، حدیث اور تفسیر پر ید طولیٰ حاصل کرنا نا گزیر ہے وگرنہ انتشار و افتراق کا دروازہ کھل جائے گا۔ اور ایسا ابہام پیدا ہوگا جس کا علاج ممکن نہیں۔

۲۳- شاہ ولی اللہؒ، حجتہ البالغہ، جلد اوّل، ص۵۲۵۔

۲۴- ایضاً، ص ص۵۲۵، ۳۵۵۔